

جبر و تفویض



”جبر و اختیار“ کا مسئلہ ایک طولانی بحث کا حامل ہے چند صفحات میں اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کتاب میں اس کی تفصیل بیان ہوسکتی ہے۔

اور چونکہ مسئلہ ”جبر“ ایک سیاسی حربہ ہے یہ صرف غیر مذہبی حکام نے اپنے افعال و اعمال کو صحیح کرنے کا ایک ذریعہ نکالا ہے، ان کا مقصد صرف اسلام کے مخالف اعمال کو غیر اختیاری (جبری) کہہ کر عذر پیش کرنا ہے۔ یہ موضوع بہت سے شعبے اور مختلف پہلو رکھتا ہے اسی وجہ سے علم کلام کے اہم مسائل میں شمار ہوتا ہے اور عقائد کے باب میں اہم باب ہے اور دینی مسائل کا ایک مشکل مسئلہ ہے۔

مسئلہ ”جبر“ یا اس کے مثل دوسرے مسائل جن پر بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے ان کی بنیاد یہ ہے کہ انسان کے افعال و اعمال صرف اس کے ارادہ و اختیار سے انجام نہیں پاتے بلکہ وہ خداوندعالم کے ارادہ اور اس کے حکم سے انجام پاتے ہیں اور ان کے انجام دینے میں انسان کا کوئی کردار نہیں ہوتا، اس نظریہ کو ”جبر“ کہا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں انسان کو مجبور ماننا پڑتا ہے، چاہے وہ اطاعت ہو یا معصیت یعنی ان کے انجام پر مجبور ہوتا ہے چاہے ان کا ارادہ کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ جبر کے قائل لوگوں نے اپنے گمان کے مطابق قرآن کریم کی بعض وہ آیات جن میں اس بات کا ایک ہلکا سا اشارہ پایا جاتا ہے، پیش کی ہیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

1

” (اے رسول) تم کہہ دو کہ ہم پر ہر گز کوئی مصیبت نہیں پڑسکتی مگر وہی جو خدا نے (ہماری تقدیر میں) لکھ دیا ہے۔“

2

” (اے رسول) تم کہہ دو کہ سب خدا کی طرف سے ہے“

لہذا ان آیات کے پیش نظر ان لوگوں نے یہ گمان کرلیا کہ ان آیات کے ذیل میں انسان کے افعال و اعمال بھی آتے ہیں۔ جبکہ بعض مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے (کیونکہ وہ مذکورہ نظریہ کو باطل جانتے ہیں) کہ انسان اور خداوندعالم میں سوائے خلق اول کے کوئی رابطہ نہیں ہے، یعنی خداوندعالم نے ان کو خلق کرنے کے بعد مکمل آزاد کردیا ہے اور تمام چیزوں کو انہیں پر چھوڑ دیا ہے، ان کا خدا سے کوئی ربط نہیں ہے، ان کا ماننا یہ ہے کہ علت محدثہ معلول کی بقا کے لئے کافی ہے، اس حیثیت سے کہ معلول اپنے وجود کے بعد اپنی علت سے بے نیاز ہوجاتا ہے کیونکہ وہ فقط پہلی علت حدوث کا

محتاج ہوتا ہے، چنانچہ علماء علم کلام اس نظریہ کو ”تفویض“ کہتے ہیں یعنی خداوند عالم نے تمام کاموں کو انسان پر چھوڑ دیا ہے اور اب اس سے کوئی مطلب نہیں۔
 جبکہ حقیقت میں صحیح نظریہ ان دونوں نظریات کا درمیانی راستہ ہے، اس سلسلہ میں حضرت امام صادق علیہ السلام کا بیان بہترین اور دقیق ہے، آپ نے اپنی مشہور حدیث میں فرمایا:
 ”لا جبر ولا تفویض، بل منزلة بین المنزلتین“ 3
 (نہ جبر اور نہ تفویض بلکہ دونوں کا درمیانی راستہ صحیح ہے)

وضاحت

ہر انسان فطری طور پر اس بات کو سمجھتا ہے کہ وہ بہت سے کاموں پر قادر ہے اور وہ جن کاموں کا ارادہ کرے ان کو انجام دے سکتا ہے اور جن کاموں کو انجام نہ دینا چاہے ان کو چھوڑ سکتا ہے اور ہمارے لحاظ سے کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہوگا جو اس بات میں شک کرے، جو اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ انسان مکمل طور پر آزاد ہے۔
 اسی طرح ہر انسان یہ بات بھی اچھی طرح سمجھتا ہے کہ تمام صاحبان عقل اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص اچھے کام کرتا ہے اس کی مدح و تعریف کرتے ہیں اور جو شخص برے کام کرتا ہے اس کی مذمت کرتے ہیں، اور یہ بھی اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ انسان اپنے افعال میں مکمل آزاد ہے اور (اگر اختیار نہ ہو) تو صاحبان عقل کا مدح و مذمت کرنا صحیح نہ ہوگا۔

اسی طرح انسان فطری طور پر اس بات کا بھی احساس کرتا ہے کہ انسان کے کسی بلندی سے سیڑھی کے ذریعہ نیچے اترنے اور بلندی سے زمین کی طرف کودنے میں فرق ہے کیونکہ انسان پہلی صورت پر قادر ہے اور دوسری صورت میں مجبور۔

اسی طرح عقل سلیم کے نزدیک یہ بات بھی مسلم ہے اور کسی کو بھی اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انسان میں ان طاقت و توانائی کا خلق کرنے والا ان کو ایجاد کرنے کے بعد ان سے جدا نہیں ہوا ہے، بلکہ ان چیزوں کا باقی رہنا ہر لمحہ اس موثر کا محتاج ہے، کیونکہ ان اشیاء کا خالق کسی معمار کی طرح نہیں ہے کہ مکان بننے کے بعد مکان کو معمار کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ عمارت اپنی جگہ پر باقی رہتی ہے چاہے اس کا بنانے والا معمار مر ہی کیوں نہ ہو جائے، اسی طرح کتاب جو اپنے لکھے جانے میں کاتب کی محتاج ہے، بلکہ اس کا تئنا اور جو کچھ اس میں موجود ہے؛ کا خالق روشنی کے لئے بجلی کی طرح ہے کہ جب تک بجلی رہتی ہے روشنی باقی رہتی ہے، اور روشنی اپنی بقاء میں ہر لمحہ بجلی کی محتاج رہتی ہے اور اگر بجلی کا تار ایک لمحہ کے لئے ہٹا لیا جائے تو روشنی فوراً ختم ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح اس کائنات کی تمام چیزیں اپنے وجود اور بقاء میں ہر لمحہ اپنے مبدع اور مصدر (خالق) کی محتاج ہیں۔

قارئین کرام! ہماری گذشتہ باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے اعمال و افعال جبر و تفویض کے درمیان ہوتے ہیں، اور ان کے لئے دونوں میں حصہ ہوتا ہے، لہذا فعل یا ترک کو انجام دینے کی طاقت اگرچہ انسان کے اختیار سے ہی ہوتی ہے لیکن یہ قدرت خدا کا عطیہ ہے، اور انسان کا فعل ایک لحاظ سے خود انسان کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور ایک لحاظ سے خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی وہ آیات جن سے ”جبریوں“ نے استدلال کیا ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان کا اختیار کسی کام کو انجام دینے میں خدا کی قدرت کے نافذ ہونے میں مانع نہیں بن سکتا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان خدا کی ذات اور اس کی قدرت سے بے نیاز ہو گیا ہے؟! -

اس سلسلہ میں ہمارے استاد آیت اللہ العظمیٰ امام خوئی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے درس میں ”المنزلة بین المنزلتین“ کی تفسیر کرتے ہوئے درج ذیل بہترین مثال پیش کی:

”اگر کسی انسان کا ہاتھ اس طرح شل ہو جائے کہ وہ اس کو نہ چلا سکے، اور کوئی ڈاکٹر اس کے کوئی ایسا آلہ لگائے جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ حرکت کرنے لگے، اس طرح کہ جب وہ آلہ لگا ہوا ہو تو انسان اپنے ہاتھ کو حرکت دے سکے، تو جب تک وہ آلہ لگا ہوا ہے اس کا ہاتھ کام کرتا ہے اور جب اس کو الگ کر دیا جائے تو اس کا ہاتھ اپنی پہلی حالت پر پلٹ جائے، تو جب اس کے وہ آلہ لگا ہوا ہے اور وہ اپنے ہاتھ کو حرکت دینے پر قادر ہے اور اپنے معمولی

کاموں کو انجام دے رہا ہے تو اس کی یہ حرکت دونوں چیزوں کی سبب ہوگی ایک لحاظ سے صاحب دست کی طرف مستند ہے کیونکہ وہ اپنا ہاتھ خودچلا رہا ہے، دوسری طرف وہ حرکت اس آلہ کی طرف بھی منسوب ہے کیونکہ وہ اس آلہ کے ذریعہ اپنا ہاتھ چلانے پر قادر ہے۔“

قارئین کرام! یہی گذشتہ مثال مسئلہ ”جبر و تفویض“ کو اچھی طرح واضح کر دیتی ہے کیونکہ ایک انسان حیات و قدرت کے عطا کرنے والے کا محتاج ہے جو ہر حال میں خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے لہذا ”تفویض“ بھی نہیں اور دوسری طرف انسان اپنے اعمال میں مجبور بھی نہیں ہے اور اس کے افعال بغیر اس کے ارادہ کے انجام نہیں پارہے ہیں لہذا ”جبر“ بھی نہیں ہے۔

لہذا مذکورہ مطلب کے پیش نظر ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان فعل و ترک پر مکمل اختیار رکھتا ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

اس سلسلہ میں مزید وضاحت کے لئے یعنی انسان کے مختار ہونے کے سلسلہ میں کچھ دلائل پیش کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہوئے اعتراضات کے جوابات بھی پیش کرتے ہیں:

1 - اختیاری اور اضطراری افعال میں فرق

ہم نے اس بات کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا ہے کہ انسان کے وہ افعال جو اس کے قصد و ارادہ سے انجام پاتے ہیں اور ان افعال میں جو اس کے ارادہ کے بغیر انجام پاتے ہیں ان دونوں میں واضح فرق ہے مثلاً کسی کے ہاتھ میں رعشہ پیدا ہو جائے اور اس کا ہاتھ ہلتا رہے، تو یہ اس کے مرض کی وجہ سے ہے اور انسان اس کو روکنے پر قادر نہیں ہے کیونکہ اس کے اختیار اور طاقت سے باہر ہے اور کبھی اس کا کام اختیاری ہوتا ہے اور وہ اپنے اختیار سے انجام دیتا ہے۔ اسی طرح انسان دوسرے افعال میں بھی فرق محسوس کرتا ہے کہ کچھ کام اس کے اختیار سے ہوتے ہیں اور کچھ کام بغیر اختیار کے۔

اور جب ہمارے تمام افعال (ایک گمان کے مطابق) خداوند عالم کی مخلوق ہیں اور ان میں ہمیں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں ہے تو پھر اختیاری و اضطراری کاموں میں فرق کا احساس کیسے کر سکتے ہیں؟!

اس سلسلہ میں بعض متکلمین نے فلسفہ تراشی کی ہے اور دونوں (اختیاری و اضطراری) میں فرق بیان کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ فعل اضطراری وہ افعال ہیں جو خدا کے ارادہ سے انجام پاتے ہیں انسان کی قدرت اور اس کے ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اور فعل اختیاری وہ ہوتے ہیں جن کو خداوند عالم انسان کے ارادہ کے ساتھ ساتھ ایجاد کرتا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول بالکل واضح البطلان ہے۔

کیونکہ اگر قدرت سے مراد، مشہور لغوی معنی ہوں کہ ”اگر چاہے انجام دے اور نہ چاہے تو انجام نہ دے“ تو یہ مذکورہ جبر کے معنی کے خلاف ہیں بلکہ یہ تو اختیار پر دلیل ہے اور اگر اس قدرت سے کوئی دوسرے معنی مراد ہوں، تو پھر یہ اکراہ کے خلاف نہیں ہے، اور اس کو کبھی بھی قدرت نہیں کہا جاسکتا۔

لیکن اگر ارادہ کے معنی مذکورہ فلسفی لحاظ سے لئے جائیں تو اس کے معنی بھی اختیار کے ہوں گے۔ (جیسا کہ صحیح بھی ہے) کیونکہ قائل کے گمان کے مطابق یہاں پر اختیار ہے ہی نہیں۔ کیونکہ (دعویٰ کے مطابق) فعل انسان کے ارادے و اختیار سے نہیں ہے، اور اگر قائل کے نزدیک ارادہ کے معنی فعل کو انجام دینے میں رغبت مراد ہو تو یہ رغبت فعل کا ایجاد کرنا نہیں ہے جیسا کہ ہماری عقل بھی یہی کہتی ہے، کیونکہ ایسے بہت سے کام ہیں جن میں انسان رغبت رکھتا ہے لیکن صرف رغبت سے وہ کام نہیں چھو پاتے، جبکہ رغبت عین فعل نہیں ہے (جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے) تو پھر اختیار و اضطرار میں مذکورہ فرق لاجرا حاصل ہو جاتا ہے۔

2 - اختیار کے سلسلہ میں قرآن مجید کی وضاحت

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جو اختیار کو بہترین طریقہ سے ثابت کرتی ہیں، اور واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ انسان اپنے افعال و اعمال میں مکمل طور پر مختار ہے اور اگر ہر فعل اس انسان کی طرف

منسوب ہے جس میں کسی بھی طرح کی تاویل و تفسیر نہیں کی جاسکتی۔

ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

4

”ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے میں گرو ہے“

5

”اور جو بھی برام کام کرے گا بھر حال اس کو سزا ملے گی“

6

”اگر تم لوگ اچھے کام کرو گے تو اپنے فائدہ کے لئے کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو (بھی) اپنے لئے۔“

7

”بس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے“

8

”جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہے وہ اسے دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر بدی کی ہے تو اسے (بھی) دیکھ لے گا“

9

”اور رہے ثمود تو ہم نے ان کو سیدھا رستہ دکھادیا مگر ان لوگوں نے ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو پسند کیا“

10

”جو کچھ تم کرتے تھے تمہیں اس کی سزا دی جائے گی“

11

”ہم تم میں سے کسی کے عمل کو ضایع نہیں کرتے“

اسی طرح قرآن کریم میں دیگر آیات بھی موجود ہیں جو تمام کی تمام اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ فعل کی نسبت اس کے

اختیار کی وجہ سے خود انسان کی طرف ہے، لیکن کوئی فعل خدا کی مشیت اور اس کے ارادہ کے بغیر انجام نہیں پاتا۔

لیکن بعض لوگوں نے اس نظریہ کو نہیں مانا اور کہا کہ خداوند عالم کا یہ قول:

12

”اللہ ہر چیز کا خالق ہے“

اس بات کی دلیل ہے کہ تمام افعال انسان، خدا کی مخلوق ہیں کیونکہ ”كُلُّ شَيْءٍ“ میں افعال انسان بھی آتے ہیں اور یہ افعال

صرف انسان کی تخلیق نہیں ہیں، لہذا یہ ”جبر“ ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت انسان کے افعال و اعمال کے سلسلہ میں نہیں ہے بلکہ اس آیت میں ان لوگوں کے نظریہ کی

رد ہے جو متعدد خالق مانتے تھے مثلاً زمین کا خالق، افلاک کا خالق، انسانوں کا خالق وغیرہ وغیرہ، لہذا یہ آیت ان لوگوں

کی رد میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہتی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی خالق نہیں ہے اور تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی

ہے۔

لفظ ”خالق“ کا خداوند عالم سے مخصوص ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہم اس کی خلقت کو تمام چیزوں میں

عمومیت دیدیں یہاں تک انسان کے افعال بھی خدا کی مخلوق میں شمار ہونے لگے، کیونکہ قرآن مجید میں تو خلق کی

نسبت انسان کی طرف بھی دی گئی ہے جیسا کہ ارشاد الہی ہوتا ہے:

13

”اور جب تم میرے حکم سے مٹی سے چڑیا کی مورت بناتے پھر اس پر (کچھ) دم کر دیتے تو میرے حکم سے (سچ مچ) چڑیا بن جاتی۔“

چڑیا بن جاتی۔“

> اِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطَّیْنِ کَھَيْئَۃَ الطَّیْرِ اِذْنِیْ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فِیْکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ <14

”میں گندھی ہوئی مٹی سے ایک پرندہ کی مورت بناؤں گا پھر اس پر (کچھ) دم کرونگا تو وہ حکم خدا سے اڑنے لگے گا“

15 :

”تم ان کو گھڑتے ہو۔“

16

”(سبحان اللہ) خدا بابرکت ہے سب بنانے والوں سے بہتر ہے“

”اور خدا کو چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے“

قارئین کرام! مذکورہ آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان بھی خالق ہے لیکن خداوندعالم احسن الخالقین ہے۔ لیکن قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے یہ استدلال کرنا کہ افعال انسان، خداوندعالم کی ایجاد ہے:

18

”خدا تمہارا خالق ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو“19

کیونکہ آیت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ جو کچھ انسان انجام دیتا ہے وہ خداوندعالم کی خلقت ہے تو نتیجہ باطل ہے کیونکہ یہ آیہ شریفہ پہلی آیت کا نتیجہ ہے ارشاد ہوتا ہے:

20

(جناب ابراہیم نے کہا کہ افسوس) تم اس کی پرستش کرتے ہو جسے تم لوگ خود تراش کر بناتے ہو“

لہذا اس سوال کے جواب میں یہ مذکورہ آیت نازل ہوئی:

21

اگر انسان ان دونوں آیات کو سامنے رکھے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ آیہ کریمہ ان لوگوں کی رد میں نازل ہوئی جو لکڑی اور پتھر سے بت بنا کر ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان سے قربت حاصل کرتے تھے، لہذا خداوندعالم نے اس آیت کے ذریعہ یہ ظاہر کر دیا کہ ہم ہی نے ان مشرکین کو پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو پیدا کیا جن کے ذریعہ سے مشرکین بت بناتے ہیں۔

لہذا اس آیت میں بندوں کے افعال و اعمال کے متعلق کوئی بات نہیں ہے۔

3۔ عذاب، خود اختیار پر دلیل ہے

قارئین کرام! خداوندعالم کا گناہکاروں پر عذاب کرنا، انسان کے مختار ہونے پر بہترین دلیل ہے، اس سلسلہ میں قرآن مجید میں موجودہ آیات کو ملاحظہ فرمائیں:

22

”اگر (کہیں) شرک کیا تو یقیناً تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے اور ضرور تم گھائے میں آ جاؤ گے“

23

”اور برائی کرنے والوں کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جیسے وہ اعمال کرتے رہے ہیں“

> يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ<24

”جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پیر ان کی کارستانیوں کی گواہی دیں گے“

25

”اور جیسی جیسی تمہاری کرتوتیں تھیں (ان کے بدلے) اب ہمیشہ عذاب کے مزے چکھو“

26

”اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جو کچھ کرتے تھے اب اس کے مزے چکھو۔“

27

”جو لوگ اس کے حکم کی مخالفت کرتے ان کو اس بات سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ (مبادا) ان پر کوئی مصیبت آ پڑے“

28

”اور جس نے ہمارے حکم سے انحراف کیا اسے ہم (قیامت میں) جہنم کے عذاب کا مزا چھکائیں گے“

کیونکہ اگر خداوندعالم اپنے بندوں کے افعال کا خالق ہو اور پھر ان کاموں پر ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو یہ محال ہے کیونکہ یہ تو کھلم کھلا ظلم ہے، (کہ افعال کو خود انجام دے اور سزا بندوں کو دے) اور خداوندعالم ہر ظلم سے پاک و پاکیزہ ہے:

29

”اور تمہارا پروردگار بندوں پر (کبھی) ظلم کرنے والا نہیں ہے“

30

”خدا تو کبھی بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں“

31

”اور میں اپنے بندوں پر (زرہ برابر بھی) ظلم کرنے والا نہیں ہوں“

32

”اور خدا سارے جہان کے لوگوں (میں سے کسی) پر ظلم کرنا نہیں چاہتا“

33

”اور خدا تو اپنے بندوں پر ظلم کرنا چاہتا ہی نہیں“

34

”خدا تو ہر گز زرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا“

35

”خدا تو ہر گز لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا“

36

”اور تیرا پروردگار کسی پر (زرہ برابر) ظلم نہ کرے گا“

(یہ تہیں وہ آیات جن میں خداوندعالم نے اپنے سے ظلم کی نفی کی ہے۔)

لیکن بعض علماء علم کلام نے خداوندعالم کی طرف ظلم کی نسبت کو صحیح مانا ہے، چنانچہ ان کے نظریہ کا خلاصہ یہ ہے:

”خداوندعالم کے لئے ظلم قبیح نہیں ہے کیونکہ وہ ظلم قبیح ہے جس کو عقل مکروہ جانے، یعنی وہ ظلم قبیح ہے جو دوسرے پر کیا جائے لیکن اگر اپنے پر ظلم کیا جائے چاہے وہ اپنے بدن پر ہو یا اپنے مال اور اپنی عزت پر، کیونکہ انسان اپنے مال میں تصرف کرنے میں آزاد ہے اور بغیر کسی قید و شرط کے تصرف کرسکتا ہے اور اس کا یہ تصرف کرنا قبیح نہیں ہے۔“

اسی طرح خداوندعالم کو بھی اپنی مخلوقات میں تصرف کرنے کا مکمل حق ہے کیونکہ وہی ان کا خالق اور مالک ہے اور چونکہ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے اور اس کی قدرت و سلطنت کے آگے خاضع ہیں، لہذا وہ جس طرح چاہے ان میں تصرف کرسکتا ہے، پس جس کو چاہے عذاب کرے چاہے وہ مومن ہی کیوں نہ ہو، اور جس کو چاہے اپنی نعمتوں سے سرفراز کرے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ تمام انسان اس کی ملکیت ہے:

37

”جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی پوچھ گچھ نہیں ہوسکتی (ہاں) اور لوگوں سے باز پرس ہوگی۔“

لہذا انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی عظمت کے سامنے اپنی قابلیت دھائے اور کہے کہ خداوندعالم کا یہ فعل حسن ہے اور یہ فعل قبیح۔

قارئین کرام! یہ اعتراض چند وجوہات سے مردود اور باطل ہے:

1۔ کیونکہ خداوندعالم کے بارے میں حکم عقل کے فرض کی گفتگو نہیں ہے بلکہ اس چیز کا بیان ہے جس سے بندوں کے معاملات میں فضل و لطف کی امید ہو، کیونکہ ہم اس بات کو مکمل طور پر قبول کرتے ہیں کہ محال پر تکلیف کرنا یا جس کام کے انجام دہی کی قدرت نہ ہو، اس کا حکم دینا یا گناہکار کو جنت میں داخل کرنا یا مطیع اور فرمانبردار کو جہنم میں داخل کرنا، ان تمام چیزوں پر خداوندعالم مکمل قدرت رکھتا ہے، اور ہر طریقہ کا تصرف کرسکتا ہے اور کوئی بھی حکم کرسکتا ہے، اور ہم یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ وہ اس طرح کے کام انجام نہیں دیتا لیکن اس کا ان کاموں کو انجام نہ دینا اس کے لطف و کرم کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ وہ ان کاموں کو انجام دینے سے قاصر اور عاجز ہے۔

2۔ اگر ہم ظلم کو قبیح نہ مانیں تو پھر انسان خداوندعالم کے احکامات کی پیروی نہیں کرے گا کیونکہ ان احکامات اور ان کے نتائج کے درست ہونے پر یقین نہ ہوگا، اور اسی طرح اس کو خدا کے وعدہ وفا کرنے پر بھی اطمینان نہ ہوگا۔

جبکہ خداوندعالم ارشاد فرماتا ہے:

38

”بے شک خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا“

کیونکہ یہ سب کچھ اس اعتبار سے ہے کہ ظلم، کذب اور خلف وعدہ قبیح ہے، لیکن اگر مسئلہ قبیح وقباحت کو ہٹالیا جائے جیسا بعض لوگوں کا گمان ہے تو پھر انسان، خدا کی اطاعت، خواہشات نفس کی مخالفت ہوا اور نفس امارہ سے جنگ پر اطمینان اور اعتماد نہیں کرے گا۔

3۔ ظلم کسی غیر پر تعدی کرنے سے مخصوص نہیں ہے بلکہ درمیانی راستہ سے افراط و تفریط کرنا بھی ظلم ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے اوپر ظلم کیا، جبکہ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اپنے تصرف، لباس، طعام، اور خرچ میں راہ اعتدال سے خارج ہو گیا ہے، درحالیکہ یہ سب کچھ اس کی ملکیت میں ہوتے ہیں، اور وہ اپنے مال میں تصرف کرنے میں بھی مکمل آزاد ہوتا ہے لیکن مذکورہ طریقہ کو عرف عام میں ظلم شمار کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی انسان کسی حیوان کو مارے جبکہ وہ حیوان اس کی ملکیت بھی ہو، اور اس کا فرمانبردار، اور اس کو اذیت نہ دینے والا ہو تو کیا اس کو مارنے پر یہ عذر پیش کرسکتا ہے کہ میں تو اس کا مالک ہوں؟!

4۔ ظلم قبیح ہے۔

اگر انسان اپنے افعال کے انجام دینے پر قادر اور مختار نہ ہو، اور صرف اس کے ارادہ سے ایجاد ہوجائے تو پھر خداوندعالم (معاذ اللہ) ”اظم الظالمین“ ہوجائے گا، کیونکہ گناہگار شخص کو عذاب دیا جانا ضروری ہے اور چونکہ معصیت انسان کے اپنے اختیار سے نہیں ہے، لہذا اس کو عذاب کرنا کئی گنا ظلم سے بھی بُرا ہے۔ قارئین کرام! ”جبر“ کا عقیدہ رکھنے والے اس سلسلہ میں دو جواب پیش کرتے ہیں: عذاب کسی فعل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ”کسب“ کی بنا پر ہے۔ لیکن ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ:

جو بات ”کسب“ کے لغوی معنی اور قرآن کریم میں استعمالات سے سمجھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ کسب اختیار کے ذریعہ انجام شدہ فعل کو کہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

39

”اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس سے کچھ اپنا ہی نقصان کرتا ہے“

40

”اس (انسان) نے اچھا کام کیا تو اپنے نفع کے لئے اور برا کام کیا تو اس کا (وبال) اسی پر پڑے گا“

41

”اور چور خواہ مرد ہو یا عورت تم ان کے کرتوت کی سزا میں ان کا (داہنا) ہاتھ کاٹ ڈالو“

42

”اور جن لوگوں نے برے کام کئے ہیں تو گناہ کی سزا ان کے برابر ہے“

43

”جو لوگ گناہ کرتے ہیں انہیں اپنے اعمال کا عنقریب ہی بدلا دیا جائے گا“

اسی طرح قرآن کریم میں دیگر آیات بھی موجود ہیں جو تمام اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ارادہ و اختیار کے ذریعہ جو فعل انجام پائے اس کو ”کسب“ کہتے ہیں لیکن اختیار کی ایک شرط قدرتِ انسان ہے۔

لہذا ان کو جب خود اپنا دعویٰ ناقص دکھائی دیا تو انہوں نے یہ کہا کہ وہ کسب جو عذاب کا سبب بنتا ہے وہ ایسا فعل ہے جو خدا سے صادر ہوتا ہے لیکن انسان کے ارادہ کے ساتھ یعنی اس فعل کے وجود کے لئے انسان کا ارادہ اور خدا کا اس کام کو کر دینا ضروری ہے۔

لیکن ہم اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

1۔ اگر یہ مقارن ہونا (ارادہ انسان اور فعل خدا کا ایک ساتھ ملنا) اختیار سے خارج ہو تو انسان پر عذاب کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے گمان کے مطابق انسان تو صرف اس فعل سے رغبت رکھتا تھا، لیکن اس فعل کو خداوندعالم نے ایجاد کیا (ان کے گمان کے مطابق)

پس در حقیقت رغبتِ انسان اور ایجادِ خدا میں مقارنت پائی گئی، اور یہ مقارنت بھی خدا کے ارادہ اور اس کی قدرت کے ذریعہ پیدا ہوئی کیونکہ ان کے گمان کے مطابق وہی فاعل حقیقی ہے، تو پھر یہ کس طرح صحیح ہوگا کہ خداوندعالم اس بندہ پر عذاب کرے جس نے فعل ہی انجام نہ دیا ہو، یا اس مقارنت کی بنا پر جس پر اُسے ذرا بھی اختیار نہیں۔

2۔ خداوندعالم کا اپنے بندوں پر ظلم کرنا قبیح نہیں ہے کیونکہ یہ تو مالک کے تصرف کا ایک حصہ ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، (ہم نے اس سلسلہ میں وضاحت کر دی ہے) کیونکہ خود ذات افعال میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو حسن یا قبیح کا نام دیا جائے، اور انسان کے کاموں کو حسن و قبیح کہنا شریعت کی بنا پر ہوتے ہیں کیونکہ جس کام کا شریعت نے حکم دیدیا ہے وہ حسن ہے اور جن کاموں سے روک دیا ہے وہ قبیح ہیں، کیونکہ اگر شارع کی نظر بدل جائے اور جس کام کا امر کیا تھا اس کے بارے میں نہی کر دے اور جس چیز کے بارے میں منع فرمایا تھا اس کا حکم دیدے تو پھر قبیح، حسن سے اور حسن، قبیح سے بدل جائے گا، یعنی جو چیز حسن تھی وہ قبیح ہو جائے گی اور جو قبیح تھی وہ حسن ہو جائے گی۔

اور چونکہ (ان کے گمان کے مطابق) فعل کا حُسن و قبح شریعت مقدس کی وجہ سے ہے نہ کہ حکمِ عقل کی بنا پر، تو پھر خداوندعالم کے فعل کو حسن و قبح کا نام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ وہ تو شریعت سے بھی بالاتر ہے، پس نتیجہ یہ ہوا کہ ہر وہ کام جو خدا انجام دے (چاہے ظلم پر ہی کیوں نہ منطبق ہو) وہ حسن و جمیل اور نیک ہے اور عقلِ انسانی یہ حکم کرنے سے قاصر ہے کہ خداوندعالم سے ظلم صادر ہونا قبیح ہے۔

قارئین کرام! صحیح نظریہ بیان کرنے سے پہلے ہم حسن و قبح کے معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

پہلے معنی

حسن و قبح کا اطلاق کمال و نقص پر ہوتا ہے، لہذا علمِ حسن ہے اور جہل و نادانی قبیح، شجاعت و کرم حسن ہیں اور ان کے مقابلہ میں بزدلی اور بخل قبیح ہیں، اور ان میں کسی بھی مفکر اور دانشمند نے کوئی اختلاف نہیں کیا ہے کیونکہ یہ ایسے یقینی مسائل ہیں جن کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

دوسرے معنی

حسن اس کو کہتے ہیں جو طبیعت کو اچھا لگے، اور قبیح اس کو کہتے ہیں جس سے طبیعت نفرت کرے، مثلاً یہ منظر، حسن ہے، یہ آواز حسن ہے یا بھوک کے وقت کھانا کھانا حسن ہے، اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ منظر قبیح ہے یہ آواز قبیح ہے، اور اس معنی میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ اس کا فیصلہ بھی خود انسانی شعور کرتا ہے اور اس میں شرع کا کوئی دخل نہیں ہے۔

تیسرے معنی

حسن و قبح کا اس چیز پر اطلاق کرنا جو مستحق مدح و ذم ہو، لہذا اسی بنا پر یہ دونوں اختیاری افعال کی صفت قرار پاتے ہیں، اس حیثیت سے کہ عقلاء کے نزدیک حسن کے فاعل کو مستحق مدح و ثواب سمجھا جاتا ہے اور تمام ہی لوگوں کے نزدیک قبیح کے فاعل کو مستحق ذم و عذاب سمجھا جاتا ہے، اور یہی تیسرے معنی موضوع بحث ہیں۔ چنانچہ اشاعرہ کا عقیدہ ہے کہ افعال کے حُسن و قُبُح پر عقل کوئی حکم نہیں کرتی، بلکہ حسن وہ ہے جس کو شریعت حسن قرار دے اور قبیح وہ جس کو شریعت مقدس قبیح قرار دے، اور ان چیزوں میں عقل کی کوئی دخالت نہیں ہے۔ لیکن شیعہ امامیہ اور معتزلہ مذکورہ نظریہ کو قبول نہیں کرتے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عقل کی نظر میں خود افعال کی ارزش و اہمیت ہے بغیر اس کے شریعت کا اس میں کوئی دخل ہو، اور انہی افعال میں سے بعض وہ افعال ہیں جو بذات خود حسن ہیں اور بعض بذات خود قبیح ہیں اور بعض ایسے افعال ہیں جن کو ان دونوں صفات میں سے کسی بھی صفت سے متصف نہیں کیا جاسکتا، شریعت مقدس انہی چیزوں کا حکم کرتی ہے جو حسن ہوتی ہیں اور ان چیزوں سے منع

کرتی ہے جو قبیح ہوتی ہیں اور چونکہ صدق بذات خود حسن ہے اسی حسن کی وجہ سے خداوندعالم نے صدق کے لئے حکم کیا ہے اور جھوٹ چونکہ بذات خود قبیح ہے، اسی قبیح کی وجہ سے خداوندعالم نے اس سے روکا ہے، نہ یہ کہ خدا نے منع کرنے کے بعد جھوٹ کو قبیح قرار دیا ہو۔

اس مطلب پر ہماری دلیل یہ ہے کہ جو لوگ دین اسلام کو نہیں مانتے اور مختلف نظریات کے حامل ہیں وہ بھی صدق کو حسن اور جھوٹ کو قبیح مانتے ہیں جبکہ ان کو شریعت نے حسن و قبیح کی تعلیم نہیں دی ہے۔

لہذا ان تمام باتوں سے ثابت یہ ہوا کہ حسن و قبیح ذاتی دونوں شرعی ہونے سے پہلے عقلی ہیں، عدل حسن ہے کیونکہ عدل ہے اور ظلم قبیح کیونکہ وہ ظلم ہے، بغیر اس کے کہ ان کے حسن و قبیح میں کوئی شرعی اور دینی حکم ہو۔ لہذا عقلی لحاظ سے خداوندعالم کا عادل ہونا ضروری ہے کیونکہ عدل حسن ہے، اسی طرح عقلی لحاظ سے خداوندعالم کا ظالم ہونا محال ہے کیونکہ ظلم قبیح ہے۔

خلاصہ بحث

عقلی اور قرآنی دلائل کے پیش نظر انسان اپنے فعل میں صاحب اختیار ہے اور اپنے تصرفات میں مکمل آزاد ہے اور کوئی جبر اکراہ نہیں ہے، اور جو باتیں جبر کو ثابت کرنے کے لئے لوگوں نے بیان کی ہیں وہ ہماری بیان کردہ محکم نصوص و دلائل کے سامنے بے کار ہیں۔ (لہذا نظریہ جبر باطل و بے بنیاد ہے)

خداوندعالم کا فرمان صادق اور سچا ہے:

ارشاد ہوتا ہے:

44

” (اور قسم ہے) جان کی جس نے اسے درست کیا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو اسے سمجھادیا، (قسم ہے) جس نے اس جان کو (گناہ سے) پاک رکھا وہ تو کامیاب ہوا، اور جس نے گناہ کر کے اسے دبا دیا، وہ نامراد رہا“

1. سورہ توبہ آیت ۵۱۔

2. سورہ نساء آیت ۷۸۔

3. عیون اخبار الرضا (ع) تالیف شیخ صدوق، ج ۲ ص ۱۱۴، روضة الواعظین تالیف فتال نیشاپوری، ص ۳۸، احجاج طبرسی، ص ۱۹۸، بحار الانوار ج ۷۵ ۳۵۴، (تحقیق مترجم)

4. سورہ طور آیت ۲۱۔

5. سورہ نساء آیت ۱۲۳۔

6. سورہ نساء آیت ۱۲۳۔

7. سورہ کہف آیت ۲۹۔

8. سورہ زلزلة آیت ۷، ۸۔

9. سورہ فصلت (حم سجدہ) آیت ۱۷۔ (۶) سورہ تحریم آیت ۷۔

10. سورہ آل عمران آیت ۱۹۵۔

11. سورہ زمر آیت ۲۶۔

12. سورہ مائدہ آیت ۱۱۰۔

13. سورہ آل عمران آیت ۲۹۔

14. سورہ عنکبوت آیت ۱۷۔

15. سورہ مومنون آیت ۱۴۔

16. سورہ مومنون، آیت 14۔

17. سورہ صافات آیت ۱۲۵۔

18. سورہ صافات آیت ۹۶۔

19. ترجمہ معترض کے لحاظ سے ہے۔ مترجم)

20. سورہ صافات آیت ۹۵۔
21. سورہ صافات آیت ۹۶۔
22. سورہ زمر آیت ۶۵۔
23. سورہ قصص آیت ۸۴۔
24. سورہ نور آیت ۲۴۔
25. سورہ سجدہ آیت ۱۴۔
26. سورہ زمر آیت ۲۴۔
27. سورہ نور آیت ۶۳۔
28. سورہ سبا آیت ۱۲۔
29. سورہ حم سجدہ آیت ۴۶۔
30. سورہ آل عمران آیت ۱۸۲۔
31. سورہ ق آیت ۲۹۔
32. سورہ آل عمران آیت ۱۰۸۔
33. سورہ غافر آیت ۳۱۔
34. سورہ نساء آیت ۴۰۔
35. سورہ یونس آیت ۴۴۔
36. سورہ کہف آیت ۴۹۔
37. سورہ انبیاء، آیت ۲۳۔
38. سورہ آل عمران آیت ۹۔
39. سورہ نساء آیت ۱۱۱۔
40. سورہ بقرہ آیت ۲۸۶۔
41. سورہ مائدہ آیت ۳۸۔
42. سورہ یونس آیت ۲۷۔
43. سورہ انعام آیت ۱۲۰۔
44. سورہ شمس آیت ۷ تا ۱۰۔